ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حافظہ عائشہ صدیقہ[۞]
ڈاکٹر عطاء الرحمٰن میو[۞۞]

میرؔ کا تصورِ فنا

Mir's concept of annihilation

By *Hafiza Ayesha Saddiqa, MPhil scholar, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore.*
Dr. Ata-ur-Rehman Meo, Associate Professor, Lahore Garrison University, Lahore.

ABSTRACT

Mir is a famous poet of the eighteenth century. His poetry has universal and eternal truths. Mir's time was full of chaos, anxiety and disturbance. His personal grief also intensified it. Therefore, Mir has a clear and profound impression of the concept of *Tasawur-e-Fana* in his poetry but his concept of *Tasawur-e-Fana* has diversity. He has pessimistic as well as optimistic aspects regarding this concept. He has a deep awareness of the instability of the world, due to which *Tasawur-e-Fana* is much highlighted in his poetry. This article seeks to highlight all the aspects of Mir's *Tasawur-e-Fana*.

Keywords: Mir, Poetry, Annihilation, Pessimistic, Optimistic, Diversity.

ہر شاعر اپنے ماحول اور تہذیب کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کی شاعری اسی تمدن کے تابع ہوتی ہے، جس رنگ میں وہاں کی تہذیب رنگی ہوتی ہے۔ جب معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہو، معاشی انحطاط ہو، اخلاقی قدریں زوال پذیر ہوں، تو لوگوں کی فکر ونظر پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے خصوصاً شعرا کرام جو حساس طبیعت کے مالک ہوتے

[۞] ایم فل اسکالر، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور
[۞۞] ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہیں، زمانے کے تغیر وتبدل کا اثر جلد قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر شاعر بھی ایسا کہ جس نے زمانے کے اتنے سرد وگرم دیکھے ہوں، جو جنگوں میں شریک رہا ہو، جس نے بار بار ترک وطن کیا ہو، جس نے بادشاہوں اور فقیروں کی صحبتیں اٹھائی ہوں، جس نے عسرت اور تنگی کے دن دیکھے ہوں[۱] تو اس کے داخلی کرب کا اظہار جب خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے تو پر درد و پر تاثیر بن جاتا ہے جو سننے والوں کے دلوں پر تیر ونشتر کا کام کرتا ہے۔[۲] بقول سورن کرکیگا (Soren Kierkegaards):

> شاعر ایک ایسا دکھی انسان ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے داخلی کرب کا اظہار کرتا ہے تو اس کے غم شعر ونغمہ میں ڈھل جاتے ہیں۔[۳]

میر بھی ایسا ہی شاعر ہے جس نے درد وغم جمع کیے تو دیوان کیا۔ میر کا غم ذاتی بھی ہے، جذباتی بھی اور محاکاتی بھی۔ ان کی شاعری زندگی کے تلخ حقائق کی ایک داستان ہے۔ اس کے ہر ورق، ہر صفحے میں اک شعر شور انگیز ہے۔ انھی غم واندوہ کی گہرائیوں نے میر کے فن کو عظمتوں کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ان کے غم والم کے بیان میں بھی ایسی نغمگی اور ترنم ہے جو شعر کی صوتیت میں اور بھی سوز وگداز پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی ندرت بیان ہے جو ان کی شاعری میں انفرادیت کے رنگ بھر دیتی ہے۔ شاعر کا موضوع اس کی شخصیت اور شعور کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غزل کے بہت سے شاعروں کے پاس حالات کا گہرا شعور نہیں تھا لیکن جو شاعر ان حالات کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور جن کے پاس ان کا گہرا شعور تھا، وہ ان کی صحیح ترجمانی میں کامیاب ہوئے۔[۴] میر کی غزل میں حالات کی ترجمانی بخوبی نظر آتی ہے جو انھیں بڑا شاعر بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا نوحہ پوری قوم کا نوحہ تھا۔ بقول مجنوں گورکھپوری:

> میر غم کے شاعر ہیں۔ میر کا زمانہ غم کا زمانہ تھا۔ اگر وہ غم کے شاعر نہ ہوتے تو اپنے زمانے کے ساتھ دغا کرتے اور ہمارے لئے بھی اتنے بڑے شاعر نہ ہوتے۔[۵]

میر کے ہاں مضامین کی کثرت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے زندگی کا ہر رنگ دیکھا، اس کا ہر ذائقہ چکھا اور اپنے گہرے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر اسے بیان کیا ہے۔ زندگی میں پیش آنے والا ہر واقعہ ان کے دل پر ضرور اثر انداز ہو کر پر درد و پر تاثیر شعر کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ ان کے ہاں داخلیت بھی ہے، خارجیت بھی ہے لیکن انھوں نے اپنے تعقل وتفکر اور احساس کی گہرائی سے خارجیت کو بھی داخلیت بنا دیا ہے۔ ان کے ہاں تصور حسن وعشق بھی ہے، فلسفہ غم بھی ہے، صوفیانہ خیالات کی چاشنی بھی ہے، عظمت انسانی کا خیال بھی پیش نظر ہے اور خود داری کا درس بھی موجود ہے۔ ان کا انداز سادگی اور روانی کا عکاس ہے جو آئینہ دار ہے۔ بہت زیادہ عالمانہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور حکیمانہ نہیں ہے لیکن کہیں انداز بیان فلسفیانہ، کہیں صوفیانہ اور کہیں عاشقانہ اور کہیں استفہامیہ دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی شاعری میں نشاطیہ رنگ بھی موجود ہے اور کہیں کہیں ظرافت کے پھلّڑ پن بھی۔ لیکن ایک مضمون جو اُن کی شاعری میں بکثرت ہے وہ بے ثباتیٔ دنیا اور فنا پذیری کا ہے کیوں کہ ان کی شاعری زمانے کی روح اور اجتماعی احساسات کی آئینہ دار ہے۔ انھیں دنیا کی ہر شے کی ناپائیداری کا گہرا شعور ہے۔ میر کے ہاں تصور فنا کو بہت سی جہتوں میں برتا گیا ہے۔ کہیں دنیا کی بے ثباتی کے باعث وہ خود کو فانی جانتے ہیں اور کہیں فنا پذیری کے عمل کے باعث خود کو بعد از فنا معدوم گردانتے ہیں۔ کہیں وہ فنا فی العشق میں سرشار نظر آتے ہیں۔ کہیں انتشار زمانہ کے باعث زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ کہیں فنا ان کے لئے وصال یار اور اس کے دیدار کا ذریعہ بن جاتی ہے اور کہیں رنج و آلام سے فرار بن جاتی ہے۔ کہیں فنا ان کے لئے آسودگی ہے اور کہیں وقفہ برائے ماندگی ہے۔ ذیل میں ان کے تصورات فنا کو ان کی شاعری کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے۔

فنا فی العشق

میر کی شاعری کا محور و مرکز عشق ہے۔ جس کی ایک بنیادی وجہ ان کی شخصیت پر تصوف کے اثرات ہیں۔ یہ تصوف انھیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کے والد صوفی منش تھے۔ وہ دنیا اور اس کی محبتوں سے گریز کرتے تھے۔ وہ محو حیرت، لذت عشق میں سرشار رہتے تھے۔ میر کو بھی ہمیشہ عشق کے رموز سے آگاہ کرتے ہوئے عشق کا درس دیا۔ ان کے نزدیک زندگی عشق اور عشق زندگی تھا۔[۶] وہ اپنے بیٹے کو بھی اس لذت عشق سے سرشار کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ انھیں اکثر تلقین کرتے نظر آتے۔ انھوں نے ایک بار میرؔ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> اے بیٹے عشق اختیار کر۔ (دنیا کے) اس کارخانے میں اسی کا تصرف ہے۔ اگر عشق نہ ہو تو نظم کل کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی، عشق کے بغیر زندگی وبال ہے۔ دل باختہ عشق ہونا کمال کی علامت ہے۔ عشق ہی سوز و ساز ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا ظہور ہے۔[۷]

انھوں نے میر کو عشق الٰہی کو اپنا پیشہ بنانے کی تلقین کی۔ وہ جانتے تھے کہ عشق کا مقام ہر مقام سے بہت بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میر کی شاعری بھی عشق میں ڈوبی نظر آتی ہے۔ میر کے نزدیک عشق ہی باعث ایجاد خلق ہے۔ گویا عشق ہی عمل کا محرک اور محور ہے۔ ان کی شاعری میں عشق مجازی و حقیقی دونوں نظر آتے ہیں۔ میر نے عشق حقیقی کا تصور پیش کیا ہے۔ وہ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں۔ انھیں کائنات کی ہر چیز میں ذات باری کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جلوہ نظر آتا ہے۔ میر اسی عشق کی لذت میں سرشار خود کو یوں فنا کر دینا چاہتے ہیں کہ وجود کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔

محو کر آپ کو یوں ہستی میں اس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں(۸)

ان کے نزدیک اس عشق میں سرشار ہو کر پہنچنا سب کو ایک ہی مقام پر ہے۔ چاہے راستے مختلف اور جدا ہی کیوں نہ ہوں لیکن منزل سب کی ایک ہی ہے۔

راہ سب کو ہے خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو
ہوں طریقے مختلف کتنے ہی منزل ایک ہے(۹)

میر کے عشق میں دیوانگی، وارفتگی، سپردگی دکھائی دیتی ہے۔(۱۰) وہ اپنے آپ کو عشق میں اس قدر فنا کر دیتے ہیں کہ خود کی خبر بھی نہیں رہتی۔

بے ہوش مئے عشق ہوں کیا میرا بھروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا(۱۱)

عشق میں فنا ہونا نہایت کٹھن ہے کیوں کہ یہ راہ عشق آسان نہیں ہے۔ اس راہ پر چلنے کے لئے بہت سی مصیبتیں اور کلفتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اپنے آپ کو خاک کرنا پڑتا ہے پھر ہی یہ مرحلۂ شوق طے ہو پاتا ہے۔

مرنا ہے خاک ہونا ہو خاک اڑتے پھرنا
اس راہ میں ابھی تو در پیش مرحلے ہیں(۱۲)

عشق کی یہ دیوانگی، وارفتگی سہنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ ایسا روگ ہے کہ جس کو لگ جائے وہ ذوقِ عشق میں ہی فنا ہو جاتا ہے۔

جان کے ساتھ یوں آخر مرض عشق گیا
جی بھلا ٹک نہ ہوا ہم نے دوا کیا کیا کی(۱۳)

فنائے دنیا

میر کے دور انتشار و اضطراب کا تھا۔ اس عہد میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی اور اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے عروج کی رونقیں اور ٹھاٹھ باٹھ بتدریج ختم ہو رہے تھے۔ نادر شاہ کے حملے سے اس سلطنت کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ستون اور بھی کھوکھلے ہو گئے۔ نا اہل جانشین مسند اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں برسر پیکار نظر آتے، جس کی وجہ سے عسکری قوت کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ مفاد پرستی، عیش کوشی نے آپس کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا۔ اخلاقی قدریں زوال پذیر تھیں۔ اندرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث انگریز بھی برصغیر کے طول و عرض پر قابض ہونے لگے۔ اس سلطنت کا ڈھانچہ توڑنے کی رہی سہی کسر احمد شاہ ابدالی کے حملے نے پوری کر دی۔ بار بار کے حملوں اور لوٹ کھسوٹ نے برصغیر کی معیشت کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ معاشی مسائل شدید اور بے روز گاری عام ہو گئی۔ بیرونی حملوں کے باعث تجارت، معیشت، گھر بار، عزت، ناموس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ یہ صرف ایک سلطنت کا زوال ہی نہیں تھا بلکہ ایک ملت اپنے بلند اخلاقی مقام سے پستی کے گڑھے میں گر گئی تھی۔[۱۴] اس افلاس و انتشار کا لوگوں کے ذہنوں پر گہرا اثر پڑا۔ زندگی بے مقصد نظر آنے لگی۔ اس عصری کشمکش اور اضطراب سے میر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے اپنے دور کی اجتماعی روح کے کرب کو اپنی تخلیقی روح میں جذب کر کے اس پہاڑ جیسے المیے کو اپنی شاعری کے آہنگ میں سمو دیا۔[۱۵] اس گردش زمانہ کی وجہ سے بے ثباتی دنیا کا احساس ابھرا۔ ان نامساعد حالات نے لوگوں کے اندر جینے کی امنگ ختم کر دی۔ کیوں کہ جب اتنی پرشکوہ سلطنت اور شاہان سلطنت خاک میں مل گئے اور رُل گئے، تو وہ کیا حیثیت رکھتے تھے۔ اس سوچ نے فنا کا تصور ان میں مزید راسخ کر دیا اور اسی اجتماعی سوچ کو میر نے اپنے اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ حالات و واقعات نے زندگی کی رونقوں کو ان کے مانند کر دیا۔ دنیا کی عارضی حیثیت ان کے سامنے اس طرح عیاں ہوئی کہ وہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس کی پائیداری صرف ایک تبسم گل کے برابر ہے۔

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات؟
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا[۱۶]

میر نے جن حالات میں زندگی بسر کی، اس کے باعث دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا مضمون ان کے ہاں کچھ زیادہ واضح اور گہرا نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ دنیا، اس کی رونقیں، ایک حباب کی مانند ہے، جو کبھی بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ یہاں مصیبتیں اور تکلیفیں زیادہ اور مہلت تھوڑی ہے۔

موجیں کرے ہے بحر جہاں میں ابھی تو تو
جانے گا بعد مرگ کہ عالم حباب تھا[۱۷]

دلّی کی بربادی، معاشی بدحالی اور لوگوں کے قتل عام نے ان کے دل میں یہ خیال پختہ کر دیا کہ یہ دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ دنیا بے وفا اور باعث فنا ہے۔ اس عالم ناپائیدار میں کوئی زیادہ دیر توقف نہیں کر سکتا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسری ہے نہ قیصر ہے
یہ بیت المال ملکِ بیوفا بے وارثہ گھر ہے(۱۸)

جہاں میں رہنے کو جی بہت تھا نہ کرسکے میر کچھ توقف
بِنا تھی ناپائیدار اس کی اسی سے رہنا بنا نہ اپنا(۱۹)

فنا ذریعۂ وصال یار

میر رنج والم کا شاعر ضرور ہے لیکن اس غم میں بھی میر نے زندگی کا بھرم خوب رکھا ہے۔ میر کے کلام میں جہاں یاسیت چھائی دکھائی دیتی ہے وہی شاعری میں ان کے اثباتی لہجے نے موت اور زندگی کی بہت سے مغائرتوں کو ہلکا کردیا ہے۔(۲۰) وہ زندگی گزارتے ہیں تو تلخیٔ زیست کو سہہ جانے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔غم والم کی بھٹی میں جلتے ہیں تو بھی خودداری اور حفظ وضع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اگر اس زندگی کا اختتام ان کے پیش نظر ہو تو اسے بھی خوش آئند قرار دیتے ہیں۔

میر کا عہد سیاسی وتہذیبی زوال کا عہد تھا۔ خارجی، داخلی شکست وریخت نے انسانوں کو عدم تحفظ سے دو چار کردیا تھا۔ اس وقت غموں سے چور، سسکتی انسانیت کو کسی سائبان کی تلاش تھی جو اسے تصوف کی آغوش میں نصیب ہوا۔ لوگ انتشار زمانہ کے باعث اضطراب کا شکار تھے۔ ان کے اندر بے ثباتیٔ دنیا اور فنا پذیری کا احساس اور بھی گہرا ہوگیا تھا۔تصوف نے اس احساس کو ایک مثبت جہت عطا کردی۔ ان کے نزدیک فنا ہوجانا بھی کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ میر پر بھی فنا کے رجحانات اور گہرے اثرات مرتب نظر آتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تصوف کے وہ اثرات تھے جو بچپن سے ہی ان کے دل ودماغ پر حاوی تھے۔ میر کے والد صوفی ومتقی انسان تھے۔ ان کی پرورش صوفیانہ ماحول میں ہوئی اور ان کے منھ بولے چچا سیّد امان اللہ کی صحبت نے بھی میر کو اسی مسلک کی طرف مائل کردیا تھا۔ اسی صوفیانہ ماحول کا اثر ہے کہ میر کے ہاں فنا کے بارے میں صوفیانہ تصورات بھی پائے جاتے ہیں جس میں فنا ہوجانے کے بعد وصال یار نصیب ہوتا ہے۔ اس آرزوئے وصل میں زندگی گزارنا جان سے گزر جانے سے بھی زیادہ مشکل نظر آتی ہے۔

اس آرزوئے وصل نے مشکل کیا جینا مرا
ورنہ گزرنا جان سے اتنا نہیں آسان ہے(۲۱)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میر کے نزدیک فنا وصل محبوب اور نئی زندگی کا نقطہ آغاز ہے۔ اس اصل سے وصل کا فراق انھیں بے قرار کئے رکھتا ہے۔

شاید کہ جان وتن کی جدائی بھی ہے قریب
جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں(۲۲)

مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جانِ جہاں کے وصال کا(۲۳)

فنا ذریعۂ بقا

میر نے حوادث وآلام کی زندگی گزاری ہے۔ ہر طرف افلاس اور عدم تحفظ کے احساس نے زندگی کی رونقوں کو ماند کر دیا تھا۔لیکن میر نے اس غم کو بھی سلیقۂ زیست بنالیا ان کا غم انھیں پسپا نہیں کرتا، حوصلہ دیتا ہے جو میر کو زندگی اور موت کے بارے میں اثباتی نقطہ نظر عطا کرتا ہے۔ میر کے ہاں موت اور حیات بعد الممات کا بھی واضح تصور موجود ہے۔ گو کہ وہ زندگی کی پریشانیوں اور تلخ حقیقتوں کے باعث فن ہوجانے کی آرزو کرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے ہاں بقا بعد از فنا کا تصور بھی موجود ہے۔ وہ فنا کو، یا موت کو ایک منزل قرار دیتے ہیں جس کے بعد ایک نئی زندگی وجود میں آتی ہے۔ جان سے گزرنا ایک ظاہری موت ہے لیکن یہ زندگی کے اگلے سفر پر روانگی ہے یعنی ان کے نزدیک حرکت دوام کا نظریہ موجود ہے اور یہ نظریہ صوفیا کرام کے نظریہ فنا اور وحدت الوجودی تصور سے جاملتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد نور مطلق میں جاملتا ہے اور بقا پالیتا ہے۔ میر کا نظریہ فنا فی الحقیقت فنا نہیں بلکہ بقائے دوام ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> میر نے موت سے دلچسپی کیوں لی ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ اول تو اس لئے کہ ہر صوفی عقیدتاً یہ سمجھتا ہے کہ اس کا کمال تبھی ممکن ہے کہ وہ وجود ظاہری کی قیود سے آزاد ہوکر خدا ہویت میں محو ہوجائے۔ یوں ساری کائنات بھی دراصل خدا کے اس ظہور ہی سے عبارت ہے جس کے بعد کل اور جز کا تعین ہو اور مظاہر اپنی اصل سے جدا ہوکر فراق کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ بس ایک صوفی جب فنا میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ موت وحیات کے عام تصورات سے بلند ہوکر ماروائی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نقطۂ نظر سے فنا کا طالب ہوتا ہے جو فی الحقیقت فنا نہیں بقائے دوام ہے، موت نہیں حیات ابد ہے۔(۲۴)

میر کے نزدیک یہ چند روزہ زندگی ہی حیات نہیں بلکہ ان کے ہاں حیات لامتناہی کا تصور بھی موجود ہے۔

مر گیا میں یہ مرے باقی ہیں آثار ہنوز
تر ہیں سب سر کے لہو سے درودیوار ہنوز(۲۵)

میر کی وسعت نظری اس دنیا کی حقیقت کو دیکھنے کے قابل ہے۔ ان کے نزدیک یہ چند روزہ زندگی اسیر حیات ہے جس سے نکل کر انسان بقا پالیتا ہے۔ میر کے نزدیک اس دنیا کی زندگی ایک خواب کی مانند ہے۔ اصل زندگی تو اس کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔

چشم دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے(۲۶)

میر کے ہاں نظریہ بقا بعد از فنا ایک اور جہت میں بھی سامنے آتا ہے۔ عشق جو کہ صوفیا کرام کا مشرب رہا ہے وہی عشق میر بھی اختیار کرتے ہیں کیوں کہ یہ عشق ہی ہے جو راہ معرفت تک پہنچاتا ہے۔ یہ عشق ہی زندگی و بندگی کا مقصود ہے۔ اس راہ عشق میں جو کوئی اپنی جان سے گزر جاتا ہے وہ ہمیشگی پالیتا ہے۔ اس کے عشق کی داستان امر ہو جاتی ہے:

ہے زیر خاک لاشۂ عاشق طپاں ہنوز پیدا ہے عشق کشتے کا اس کے نشاں ہنوز
مدت ہوئی کہ خوار ہو گلیوں میں مر گئے قصہ ہمارے عشق کا ہے داستاں ہنوز(۲۷)

میر کو اس بات کا گہرا شعور وادراک ہے کہ موت کے بعد انسان کی ہستی برقرار رہتی ہے۔ گو کہ انسان ظاہری دنیا سے پردہ کر جاتا ہے لیکن اس کا نام اور اس کا کام باقی رہتا ہے۔ اسی لئے میر اس بات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ اس دنیا میں چاہے جن بھی حالات میں زندگی بسر ہو لیکن کچھ ایسا کام کر کے جانا چاہے جو بعد از موت انسان کی پہچان بنے۔

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو(۲۸)

فنا بحیثیت موت

موت ایک ایسی آفاقی اور ابدی حقیقت ہے جس کو نہ تو کوئی جھٹلا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے نظریں چُرا سکتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میر بھی اس حقیقت سے واقف ہے۔ میر کے ہاں یہ مضمون بکثرت پایا جاتا ہے جہاں وہ اس بات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں بحیثیتِ مہمان ہیں۔ انھیں کچھ دیر کی زندگی بسر کر کے موت کی وادی میں داخل ہونا ہے۔

یہاں ہم برائے بیت جو بے خانماں رہے
سو یوں رہے کہ جیسے کوئی مہماں رہے(۲۹)

موت کے حوالے سے میر کا نظریہ اثباتی بھی ہے اور قنوطی بھی، زندگی کی تلخیوں اور اس کی خامیوں اور کوتاہیوں کی تلافی انھوں نے حیات دوام کے تصور سے کی ہے، جس کے لئے موت ناگزیر ہے۔

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ(۳۰)

میر کے نزدیک زندگی کا لطف ہی موت میں پوشیدہ ہے۔ موت نہ ہوتو زندگی کی اہمیت باقی نہ رہے۔ وہ مسیح وخضر کی طرح بے لطف اور یک رنگ زندگی کے بھی قائل نہیں ہیں۔

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر ومسیحانے مرنے کا مزا جانا(۳۱)

فنا— بیزاریِ دنیا

میر کا عہد شورشوں اور فتنہ وفساد کا تھا۔ سیاسی، سماجی، معاشی ہر لحاظ سے افراتفری انتشار دیکھنے میں نظر آتا تھا۔ میر نے درویشانہ ماحول میں زندگی بسر کی۔ والد کی وفات کے بعد رنج والم کے طویل باب کی ابتدا ہوئی۔ سوتیلے بھائی کی بدسلوکی کے بعد سراج الدین کے ہاں قیام پذیر ہوئے لیکن یہ بھی عارضی ثابت ہوا۔ معاشی تنگدستی وبدحالی اس کے ہمراہ رہی۔ اس غم دوراں کے ساتھ کچھ غم جاناں نے مجنونانہ کیفیت طاری کردی۔ گوکہ یہ کیفیت کچھ عرصہ بعد رفع ہوگئی لیکن صعوبتیں ازلی رفیق بنی رہیں۔ خارجی شکست وریخت کے ساتھ ساتھ داخلی انتشار اور اضطراب نے ان کو سراپا غم بنادیا۔ غم دنیا، غم عشق اور غم آفاق نے مل کر ان کے اشعار میں آگ کی سی لپٹ پیدا کردی۔(۳۲) غم زیست نے ان کو زندگی سے بے زار کر کے ان کے اندر سے جینے امنگ ختم کردی۔ بیوی اور بیٹی کی وفات نے ان صدمات میں مزید اضافہ کردیا۔

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مرمر کے زندگانی کی(۳۳)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زمانے کے حوادث نے ان کو بہت بے قرار و مضطرب رکھا۔ ان سانحات و واقعات نے ان کے اندر اس زندگی سے ناامیدی پیدا کر دی۔

کیا کریں تدبیر دل مقدور سے باہر ہے اب
ناامید اس زندگانی کرنے سے اکثر ہے اب(۳۴)

میرؔ اپنی کتاب ''ذکر میر'' کے آخر میں اس زندگی کے ہنگاموں سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض کہ ضعف قویٰ، بیدماغی، ناتوانی، دل شکستگی اور آزردہ خاطری سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت دن نہ جیوں گا۔ زمانہ بھی رہنے کے لائق نہیں رہا ہے اس سے دامن جھٹک دینا ہی اچھا ہے۔(۳۵)

میر کی پرورش درویشانہ اور متصوفانہ ماحول میں ہوئی تھی۔ اسی درویشی کی بدولت ان کے اندر بے نیازی اور قناعت پسندی کی صفات راسخ ہوگئیں۔ ان وجوہات نے میرؔ کے اندر سے لذت دنیا کو کم کر دیا اور تکلف و تصنع سے بیگانہ کر دیا۔

دنیا کی نہ کر تو خواستگاری
اس سے کبھو بہرہ ورنہ ہوگا(۳۶)

فنا—ذریعۂ فرار:

میر نے جن حالات میں زندگی بسر کی، وہ بڑے صبر اور حوصلے کا کام تھا۔ گو کہ انھوں نے بلند حوصلگی سے زندگی کے غموں کو سینے سے لگایا لیکن زندگی کی محرومیوں اور شکستگی سے گھبرا کر کہیں وہ فرار کا راستہ بھی اپنانا چاہتے ہیں وہ اس کنج قفس سے رہائی چاہتے ہیں تاکہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے جان چھڑا سکیں۔

ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں
اپنی قید حیات سے آزاد(۳۷)

فنا—وقفہ ماندگی

میر کے کلام میں موت کے متعلق بہت سے کثیر الجہات پہلو نظر آتے ہیں۔ میرؔ فنا ہو جانے یا موت کے بعد زندگی کو عدم قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو ایک منزل سمجھتے ہیں جہاں وہ زندگی کی تکلیفوں سے تھک کر کچھ دیر ٹھہر کر

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آرام کرسکیں اور اگلی منزل پر جانے کی تیاری کرسکیں۔جس طرح میرؔ نے مرمر کر زندگانی کی ، وہ مصائب وآلام کی چکی میں پس کر تھک چکے تھے۔ان کے لئے موت اک وقفہ ہے جہاں وہ اگلی پرواز کے لئے تازہ دم ہولیں۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر(۳۸)

وقفہ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم(۳۹)

میرؔ کے اس تصور فنا میں بھی صوفیانہ خیالات کی چاشنی اور فکر نظر آتی ہے۔صوفیا کرام بھی موت کو ایسا پل قرار دیتے ہیں،جس سے وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوسکیں۔ان کے نزدیک موت ایک ایسی منزل اور سرائے ہے۔ جہاں رک کر وہ ابدی زندگی کے سفر پر روانہ ہوسکیں۔ یہی خیالات ہمیں میرؔ کے ہاں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

فنائے ہستی (معدومیت)

موت ایسا آدرش ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میر کے ہاں موت کا یا فنا کا ایک ایسا تصور بھی موجود ہے جہاں وہ ہستی کو معدوم بعد از فنا گردانتے ہیں۔ خاک کا پتلا خاک میں مل کر یوں خاک ہوجاتا ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ میرؔ نے اپنے دور میں حالات وواقعات کی جو گردش دیکھی ، اس نے ان کے دل ودماغ پر گہرے نقش مرتب کئے۔عظیم الشان سلطنت نے ان کے سامنے دم توڑا۔ دلی کی رونقیں اور تابناکیاں تہ وبالا ہوگئیں۔ بخت وتخت تاراج ہوئے۔جن کو تخت وتاج کا دماغ تھا، ان کی عزتیں دلی کی سڑکوں پر پامال ہوکر خاک ہوگئیں۔اہلیان سلطنت کی شان وشوکت ، رعب ودبدبہ سب خاک نشین ہوگئے۔

تھا ملک جن کے زیرِنگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام ونشاں رہے(۴۰)

میرؔ کی زندگی کی اذیتیں اور کلفتیں ، ناکامیٔ عشق دلی کے اجڑنے کا غم ، پھر دلّی کی جدائی کا غم ، اہل خانہ کی موت کا غم ان تمام محرکات نے ان کے اندر فنائیت کا پہلو اجاگر کرکے ان کے اندر پژمردگی اور مردنی طاری کردی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

پھرتی ہے اپنے ساتھ لگی متصل فنا
آبِ رواں سے ہم ہوے نابود ہر جگہ(۴۱)

فنا—— برائے بندگی

میر کے ہاں حیات بعد الممات کا واضح تصور موجود ہے۔ ان کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں، اس سرائے میں چند روزہ زندگی کی مہلت دے کر بھیج دیا گیا ہے۔ اسے اس زندگی کو فضول کاموں میں بسر کرنے کی بجائے بندگی کا سامان کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس دنیا کی لذتوں میں کھو کر مقصد بندگی سے انسان بیگانہ نہ ہو بلکہ اس کے پیش نظر بعد از فنا کی تیاری رہے:

تو شئہ آخرت کا فکر رہے
جی سے جانے کا ہے سفر نزدیک(۴۲)

فنا ذریعۂ آسودگی

میر کا عہد جس انتشار اور اضطراب کا عہد تھا، اس میں آسودگی کا تصور ہی محال تھا۔ معاشی بدحالی، بے بسی، بے کسی، نا آسودگی، ان تمام وجوہات کی وجہ سے میرؔ کو فنا ہو جانے میں ہی تسکین نظر آئی۔ زندگی جو مشکلات سے عبارت تھی، موت کے بعد راحت کے تصور نے اسے قابل قبول بنانے میں مدد کی۔

گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میرؔ
ہم زیر زمیں بھی بہت آرام کریں گے(۴۳)

فنا—— مقام برابری:

میرؔ کے دور میں بے روزگاری، معاشی بدحالی کی وجہ سے طبقاتی فرق اور بھی نمایاں ہو گیا تھا۔ بھوک، غربت، افلاس جگہ جگہ پنجے گاڑھے ہوئے تھی۔ گردش حالات کی چکی میں پسنے والے پستے چلے گئے۔ زندگی گزارنا محال ہو گیا اس دور میں معاشی برابری کا تصور ناممکن تھا۔ لیکن فنا کی بدولت یہ تصور بھی ممکن ہو گیا، کیوں کہ یہ وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر امیر اور غریب برابر ہو جاتے ہیں چوں کہ اس عہد میں معاشی مسائل اور طریق پیداوار

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اتنے ترقی یافتہ نہیں تھے کہ مساوات کا تصور زندگی میں ممکن ہوتا ۔ اس لئے موت اس خواہش کی تکمیل کرتی تھی۔(۴۴) میر کے کلام میں بھی یہ تصور برابری فنا کی صورت میں ممکن نظر آتا ہے۔

کیا اپنے تئیں پستی بلندی سے جہاں کی
اک خاک برابر ہوئے ہموار ہیں ہم لوگ(۴۵)

ایک گردش میں ہیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ہیں آسمان سے لوگ(۴۶)

فنا—ذریعۂ جبر

میر کے ہاں فنا کا ایک جبر یہ ہے تصور بھی پایا جاتا ہے ۔جس میں نہ جینے کا ااختیار ہے نہ مرنے کا۔انسان ناکامی اور شکست سے مفاہمت کر کے زندگی گزارنے کا ڈھب نکال ہی لے تو پھر اس پر فنا ہو جانے کا جبر ہے یعنی زندگی کو ہزار محنت شاقہ اور صبر سے گزارنے کے بعد اسے مرنے کا جبر سہنا ہی ہے۔

جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہم نشیں
ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج(۴۷)

بہت سعی کریے تو مر رہیے میرؔ
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے(۴۸)

فنا—انجام زندگی

میرؔ کے ہاں فنا انجام زندگی بھی ہے ۔ زندگی کی تمام صعوبتیں ، اذیتیں فنا کے ذریعے انجام کو پہنچ کر تمام ہو جاتی ہیں۔

سوال میں نے جوا نجام زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی(۴۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

فنا—— سبق عبرت

فنا عبرت کا ذریعہ بھی ہے۔فنا کے ذریعے اس عالم ناپائیدار سے کوچ کرجانے والوں کے ذریعے سے باقی ماندہ اس سفر کی تیاری کے لئے کوشاں ہوجاتے ہیں۔

میرؔ چلنے سے کیوں ہو غافل تم
سب کے ہاں ہورہی ہے تیاری(۵۰)

غرض میر کی فنا کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ہے۔میرا پنے گہرے مشاہدے اور تخلیقی شعور کو شعر کے پیکر میں ڈھال کر بیان کرتے ہیں۔ان کی طبع رواں سیلاب کی روانی رکھتی ہے۔معاشی زوال سے پیدا ہونے والے المیے کے نقوش میرؔ کے کلام میں واضح موجود ہیں۔اس کی وجہ ان کے عہد کے آشوب کا گہرا اور واضح اثر ہے۔ان کے تصور فنا میں قنوطیت بھی ہے اور جائیت بھی۔لیکن وہ اپنے تصور فنا سے لذت کشید کرتے ہیں۔وہ اپنے ذوق فنا میں شاد ومسرور دکھائی دیتے ہیں۔

حواشی

۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ''شعرِ شور انگیز''، جلد اول، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۳، طبع سوم
۲۔ مسعود الرحمٰن خاں ندوی، ''میر کے نشتر''، (الہ آباد: رام نرائن لعل پبلشرز، ۱۹۳۰ء)، ص ۳، طبع اوّل
۳۔ خالد سہیل، ڈاکٹر، ''میر تقی میر: فن اور پاگل پن''، مشمولہ ''میر تقی میر عالمی سیمینار''، مرتب: اطہر رضوی، (دہلی: شاہد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۳۵
۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ''غزل اور مطالعہ غزل''، (کراچی: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۵۵ء)، ص ۶۱
۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ''میر کی شخصیت اُن کے کلام میں''، مشمولہ ''میر تقی میر عالمی سیمینار''، محولۂ بالا، ص ۲۰۵
۶۔ عبدالمغنی، ''میر کا تغزل''، (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۰ء)، حرف آغاز
۷۔ میر تقی میر، ''ذکرِ میر''، مرتب: مولوی عبدالحق، (اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۸ء)، ص ۵، ۶
۸۔ میر تقی میرؔ، ''دیوانِ اوّل''، مشمولہ ''کلیات میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۹۴
۹۔ ایضاً، ص ۱۷۲
۱۰۔ راشد آزر، ''میر کی غزل گوئی: ایک جائزہ''، (نئی دلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۶
۱۱۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اوّل''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۵
۱۲۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان سوم''، ایضاً، ص ۴۲۰
۱۳۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان دوم''، ایضاً، ص ۳۲۴
۱۴۔ اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر، ''برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ''، (کراچی: کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء)، ص ۲۲۲

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اردو''، جلد دوم، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۴ء)، ص ۵۲۲
۱۶۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اول''، مشمولہ ''کلیات میرؔ''، ص ۴
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳
۱۸۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان پنجم''، محولہ بالا، ص ۶۸۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۳۳
۲۰۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''ولی سے اقبال تک''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۶۳
۲۱۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اوّل''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، ص ۲۰۳
۲۲۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان چہارم''، ایضاً، ص ۴۹۹
۲۳۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان پنجم''، ایضاً، ص ۵۳۲
۲۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''نقدِ میرؔ''، (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۳۰۔۱۳۱، بار اوّل
۲۵۔ میر تقی میرؔ، ''کلیاتِ میرؔ'' (ترتیب جدید)، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۴۱ء)، ص ۷۵
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۵۸
۲۷۔ ایضاً، ص ۴۸۳
۲۸۔ میر تقی میر، ''دیوان سوم''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۲۵
۲۹۔ میر تقی میر، ''دیوان دوم''، ایضاً، ص ۳۴۶
۳۰۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''ولی سے اقبال تک''، ص ۶۵
۳۱۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان دوم''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۱۱
۳۲۔ خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر، ''میر تقی میر: حیات اور شاعری''، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۵۴ء)، ص ۴۱
۳۳۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اول''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۴۹
۳۴۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان چہارم''، ایضاً، ص ۴۷۱
۳۵۔ میر تقی میرؔ، ''ذکرِ میر''، ترتیب و ترجمہ: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۶ء)، ص ۳۲۹
۳۶۔ میر تقی میرؔ، ''دیوانِ اول''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۱
۳۷۔ ایضاً، ص ۶۴
۳۸۔ ایضاً، ص ۷۳
۳۹۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان دوم''، ایضاً، ص ۲۸۵
۴۰۔ ایضاً، ص ۳۴۶
۴۱۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان سوم''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۳۳
۴۲۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اول''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۸۳
۴۳۔ ایضاً، ص ۲۰۷
۴۴۔ ایم حبیب خاں، ''افکارِ میرؔ''، (علی گڑھ: انڈین بک ہاؤس، ۱۹۶۷ء)، ص ۲۷۲
۴۵۔ میر تقی میرؔ، ''کلیات میرؔ''، مطبع نول کشور، ص ۴۹۰

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۴۶۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان چہارم''، مشمولہ ''کلیاتِ میرؔ''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۹۰
۴۷۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان اول''، ایضاً، ص ۶۰
۴۸۔ ایضاً، ص ۱۷۹
۴۹۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۵۰۔ میر تقی میرؔ، ''دیوان پنجم''، ایضاً، ص ۶۷۴

مآخذ

۱۔ آزر، راشد، ''میر کی غزل گوئی: ایک جائزہ''، نئی دلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۱ء
۲۔ بریلوی، عبادت، ڈاکٹر، ''غزل اور مطالعہ غزل''، کراچی: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۵۵ء
۳۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبِ اردو''، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۴ء
۴۔ خاں، ایم حبیب، ''افکارِ میرؔ''، علی گڑھ: انڈین بک ہاؤس، ۱۹۶۷ء
۵۔ سہیل، خالد، ڈاکٹر، ''میر تقی میر: فن اور پاگل پن''، مشمولہ ''میر تقی میر عالمی سیمینار''، مرتب: اطہر رضوی، نئی دہلی: شاہد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ''شعرِ شور انگیز''، جلد اول، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء
۷۔ _____، ''میر کی شخصیت اُن کے کلام میں''، مشمولہ ''میر تقی میر عالمی سیمینار''، مرتب: اطہر رضوی، نئی دہلی: شاہد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۸۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، ''ولی سے اقبال تک''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
۹۔ _____، ''نقدِ میرؔ''، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۵۸ء، بار اوّل
۱۰۔ عبدالمغنی، ''میر کا تغزل''، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۰ء
۱۱۔ فاروقی، خواجہ احمد، پروفیسر، ''میر تقی میر: حیات اور شاعری''، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۵۴ء
۱۲۔ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر، ''برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ''، کراچی: کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء
۱۳۔ میر، میر تقی، ''ذکرِ میر''، مرتب: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۸ء
۱۴۔ _____، ''کلیاتِ میرؔ'' (ترتیب جدید)، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۴۱ء
۱۵۔ _____، ''ذکرِ میر''، ترتیب و ترجمہ: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۶ء
۱۶۔ _____، ''کلیاتِ میرؔ''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء
۱۷۔ ندوی، مسعود الرحمٰن خاں، ''میر کے نشتر''، الہ آباد: رام نرائن لعل پبلشرز، طبع اول، ۱۹۳۰ء